

# اعتماد

نوشاد عادل

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود تمام ناولز بالکل مفت ہیں۔ اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ وہ لوگ جو وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤن لوڈ کر لیں۔ اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے، سپر موڈز: زندگی، بسمہ، حبیب یا مینجمنٹ و قار سے رابطہ کریں، شکریہ

# اعتماد

چھما دادا چارپائی پر اوندھا لیٹا ہوا تھا اور اس کے دو چیلے تیل سے اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر مالش کر رہے تھے۔ گیٹ کے باہر سفید رنگ کی مرسڈیز کار رکتے دیکھ کر چھما دادا کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھرک اٹھی، وہ اٹھا اور اپنی مونچھوں پر تائو دینے لگا۔

کار سے پینتیس سال کا ایک طویل القامت آدمی اتر کے چھما کی طرف بڑھنے لگا۔ سنہرے بال اور بھوری آنکھوں والے اس آدمی نے نہ صرف شاندار قسم کا سوٹ پہنا ہوا تھا بلکہ اس کے گلے میں چمچماتے ہیرے کا لاکٹ تھا جبکہ

انگلیوں میں بیش قیمت پتھروں والی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ چال ڈھال اور رکھ رکھاؤ سے وہ بہت امیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔

”آؤ سلیم سیٹھ۔“ چھما دادا بارعب لہجے میں بولا۔ ”پچھلے ہفتے ہی تو آئے تھے آج پھر تشریف کا ٹوکرا اٹھالائے۔“

سلیم بیگ نے چاروں طرف نظریں گھما کر لمبے چوڑے پلاٹ کا جائزہ لیا اور پھر ٹھنڈی آہ سی بھر کر چھما سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”اس زمین کا مالک میں ہوں چھما دادا میں۔“

”کل تمہاری خوبصورت بیوی روبی بھی آئی تھی وہ بھی خود کو اس زمین کی مالک بتا رہی تھی۔“ چھما دادا نے روبی کے ذکر پر آنکھیں نچا کر کہا۔

”ہاں ایک ہی بات ہے۔“ سلیم بیگ تھوڑا نجل سا ہو کر بولا۔ ”روبی اس پلاٹ کی ادھی مالکن ہے، لیکن تم تو کچھ بھی نہیں ہو چھما تم تو زبردستی اس پلاٹ پر قبضہ جمائے بیٹھے ہو۔“

”مجھ میں دم تھا۔ کر لیا قبضہ۔“ چھما دادا نے کسی کٹ کھنے بھیڑیے کی طرح غرا کر کہا۔ ”تجھ میں دم ہے تو یہ زمین مجھ سے واپس لے کر دکھا۔“

سلیم بیگ نے اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا پھر خود پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں بولا۔ ”دماغ تو ٹھیک ہے نا تیرا یہ پلاٹ پانچ کروڑ میں خریدا گیا تھا۔“

”معلوم ہے مجھے تمہارے سرسرنے یہ زمین پانچ کروڑ میں خریدی تھی، لیکن کب؟ دس بارہ سال پہلے آج اس زمین کی قیمت پچیس کروڑ سے کم نہیں ہے پھر بھی میں تو آج اس زمین کے صرف پندرہ کروڑ ہی مانگ رہا ہوں کل پیسے لے کر آؤ گے تو بیس کروڑ سے ایک پھوٹی کوڑی بھی کم نہیں لوں گا۔“

”ہم اپنی ہی زمین کے لئے بھلا اتنی بڑی رقم کیوں دیں؟ تمہیں یہ زمین خالی کرنا ہی ہوگی، ہم تمہیں زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ دے سکتے ہیں، اگر تم نے

حامی نہ بھری تو مجھے پولیس کی مدد لینا ہوگی۔“ سلیم بیگ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

”پولیس...ہا...ہا...“ چھما نے ایک بھیا نک قسم کا قہقہہ لگایا۔ پھر خونخوار لہجے میں بولا ”پولیس کی دھمکی کسی اور کو دینا سلیم بیگ، چھما دادا کو نہیں میری پہنچ بہت اوپر تک ہے ایس پی کا خاص بندہ ہوں میں تم نے پولیس کے پاس جانے کی یا کوئی اور حماقت کی تو میں تیرا کیا حشر کروں گا تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ اور تیری حسین بلبل کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے بعد اسے کوٹھے پر بٹھا دوں گا“ چل پھوٹ یہاں سے دوبارہ تبھی آنا جب جیب میں پندرہ کروڑ ہوں ورنہ مت آنا میرا موڈ چوپٹ ہو گیا تو تیرے حق میں بہت برا ہوگا یہ بات اپنی انارکلی کو بھی بتا دینا۔“

سلیم بیگ پلٹا اور بو جھل قدموں سے اپنی کار کی طرف بڑھنے لگا۔ چھما دادا کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بتیس سالہ خوبصورت، تیکھے نین نقوش کی مالک، گوری چٹّی روپی نے تکیے سے سر اٹھاتے ہوئے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور بستر سے اترنے لگی۔ برابر میں لیٹے ہوئے فرینچ کٹ داڑھی والے چالیس سالہ اختر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

”ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے ڈارلنگ۔ تھوڑی دیر اور رک جائو نا۔“

”چھوڑو نا اختر ڈیر۔“ وہ کسمسا کر بولی۔ ”بس بہت ہو گیا۔ مجھے گھر جانا ہے،“

شاپنگ کے بہانے آئی تھی۔ مارکیٹ سے تھوڑا بہت سامان لوں گی اور گھر چلی جائوں گی۔“

اختر نے اس نے گلاب سے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں سمیٹتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ ”سلیم بیگ سے ناحق ہی ڈررتی ہو تم ڈارلنگ، وہ کون سا دودھ کا دھلا ہوا ہے، اس نے نہ جانے کتنی عورتوں کے ساتھ تعلقات بنائے ہوئے ہیں تم نے جس ملازمہ کو دس ہزار روپے دے کر ڈرا دھمکا کر نوکری سے نکالا تھا وہ اس ملازمہ کو بھی اپنی رکھیل بنائے ہوئے ہے۔“

”مجھے سلیم بیگ کا کوئی ڈر نہیں ہے۔“ روبی ہنکار کر بولی۔ ”بھلے ہی ڈیڈی نے مجھے جائیداد سے بے دخل کرنے کی دھمکی دے کر مجھے اس کی بیوی بنا دیا تھا لیکن وہ میرے ڈیڈی کا نوکر تھا اور میرے لئے تو آج بھی نوکر کی ہی حیثیت رکھتا ہے۔ تبھی تو آج تک میں نے اس کے ساتھ سہاگ رات تک نہیں منائی، ڈیڈی کی وصیت کے مطابق میں اور سلیم بیگ دونوں برابر کے حصے دار ہیں، ہم دونوں میں سے کوئی طلاق لے گا تو اسے اپنے حصے کی جائیداد بھی کھونا پڑے گی، ایسی صورت میں جائیداد کا وہ حصہ ڈیڈی کے بنائے ہوئے ٹرسٹ

کو چلا جائے گا۔ جس کے ٹرسٹی وکیل انکل ہیں۔ وصیت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی کا بھی قتل ہوتا ہے تو ساری جائیداد ٹرسٹ کو چلی جائے گی۔ تبھی تو میں سلیم بیگ سے چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ اسی کے ساتھ ڈیڈی نے وکیل انکل کو ہم دونوں پر نظر رکھنے کی ہدایت دی ہوئی ہے اور یہ حق بھی دیا ہے کہ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ میاں بیوی کا

رشتہ نہ رکھ پائیں تو وہ ہمیں جائیداد سے بے دخل کر کے ٹرسٹ کے حوالے کر سکتے ہیں۔ مجھے سلیم بیگ کا نہیں بلکہ وکیل انکل کا خوف رہتا ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ وہ کتنے گھاگ اور چالاک ہیں وہ کسی پولیس والے کی طرح ہی مجھ پر اور سلیم بیگ پر نظر رکھتا ہے ایک بار انہیں میرے خلاف ثبوت مل گیا تو وہ مجھے جائیداد سے بے دخل کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے تبھی تو چوروں کی طرح پوری طرح دیکھ بھال کے ہوشیاری سے تم سے ملنے آتی ہوں۔“

اختر بھی بستر سے اتر کر اپنی حالت درست کرتا ہوا اداس لہجے میں بولا۔ ”تقدیر میں ہماری شادی ہونا نہیں لکھا تھا ڈارلنگ کیونکہ تمہارے ڈیڈی کو میں پسند نہیں تھا۔ انہوں نے وصیت کو ہتھیار کے روپ میں استعمال کیا اور تمہیں اپنے نوکر کی بیوی بنا دیا میری محبت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ میں نے آج تک شادی نہیں کی اور آج بھی پاگلوں کی طرح تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“



”میں بھی تو تم سے ملنے کے لئے بے قرار رہتی ہوں ڈیر۔ موقع ملتے ہی تم سے ملنے چلی آتی ہوں۔“

اختر نے روبی کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”لیکن سلیم بیگ نے تو تمہارا رے پچھلے نوکر کو اس الزام میں نوکری سے نکالا تھا کہ تم نے اس نوکر کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ وہ مجھے کلب میں ملا تھا‘ بول رہا تھا کہ تم نے نئے نوکر کے ساتھ بھی۔“

روبی پھٹ پڑی ”وہ کمینہ بکواس کرتا ہے۔“ غصے سے روبی کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ ”میں اسے ہاتھ بھی لگانے نہیں دیتی ہوں اس لئے وہ مجھے بدنام کرنے کے لئے بکواس کرتا رہتا ہے وہ ہمارے تعلق کے بارے میں جانتا ہے‘ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرو اور ہر تعلق توڑ دو تمہیں مجھ پر بھروسہ رکھنا چاہئے میں تمہاری صرف تمہاری ہوں ڈیر اوکے اب چلتی ہوں۔ کہیں وکیل انکل میری تلاش میں نہ نکل پڑے۔ اسے ہم دونوں کے بارے میں شک ہے لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے چپ ہے اگر ان کے ہاتھ

ثبوت لگ گئے تو جائیداد تو گئی ہی سمجھو آدھی جائیداد پر تو وہ ناگ سلیم بیگ قبضہ جمائے بیٹھا ہے‘ خدا جانے وہ کب مرے گا اور کب اس سے ہماری جان چھوٹے گی۔ کم بخت کو کینسر یا ایڈز کی بیماری بھی تو نہیں ہے۔“

یہ کہہ کر روبی اپنا پرس اٹھا کر اختر کی طرف ایک قاتلانہ مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی اور اختر ہنستے ہوئے دوبارہ بستر کے کنارے بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کوٹھی میں داخل ہوتے ہی روبی کا سامنا سلیم بیگ سے ہوتا ہے۔ سلیم بیگ کو گھورتا ہوا دیکھ کر سٹیٹا کر برا سا منہ بنا کر روکھے لہجے میں بولی۔ ”مجھے یوں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟۔“

”پوچھ سکتا ہوں کہ کہاں سے آرہی ہو؟۔“

”تم سے مطلب؟۔“ وہ تنک کر بولی۔ ”اپنی حد میں رہا کرو مسٹر۔“

”شوہر ہوں تمہارا۔“

”صرف دنیا کی نظروں میں میرے لئے تو آج بھی میری فیکٹری کے سپروائزر ہو۔“

”اختر کے پاس ہی گئی ہوگی منہ کالا کرانے نوکر کے روپ میں ایک سائنڈ تو تم نے پال ہی رکھا ہے کیا اس سے تمہاری ہوس پوری نہیں ہوتی؟۔“

”شٹ اپ۔“

غصے کے مارے روہی کا چہرہ لال بھبھوکا ہو چلا تھا اور جسم کے ساتھ ساتھ اس کے رسیلے ہونٹ بھی تھر تھرانے لگے وہ آنکھوں سے شعلے برساتی ہوئی چلائی۔ ”تم کون سا کم ہو؟ نہ جانے کتنی کتیاؤں کے ساتھ منہ کالا کیا ہے تم نے پچاس سال کی نوکرانی اور سات بچوں کی ماں دھوبن تک کو نہیں چھوڑا تم نے تم تو شاید کسی سچ مچ کی کتیا کو بھی نہ بخشو اور پرائیویٹ کو ٹھوں پر تو تمہارا پرانا آنا جانا ہے۔“

”حمام میں ہم دونوں ہی ننگے ہیں روہی۔“ سلیم بیگ کچھ دھیمے لہجے میں بولا۔ ”تم نے آج تک مجھے ہاتھ بھی نہیں لگانے دیا تو میں کیا کرتا؟ کیا سرجری کروا کر ہیجڑا بن جاتا؟ میں جو بھی کرتا ہوں گھر کی چار دیواری میں رہ کر کرتا ہوں لیکن تم تو گھر سے باہر کارنامے دکھا رہی ہو میری اور اپنی نہیں تو کم از کم اپنے ڈیڈی کی عزت کا تو خیال کرو۔“

”ڈیڈی نے میرا کون سا خیال رکھا ہاں؟“ روہی نفرت بھرے لہجے میں چلائی اختر کے ساتھ میری شادی کر دیتے تو کیا بگڑ جاتا ان کا؟ اوپر سے ایک ملازم کو میرے پلے باندھ دیا۔“

”میں تمہارے ڈیڈی کے دوست کا بیٹا ہوں۔ جبکہ اختر ایک نمبر کا عیاش اور آوارہ ہے۔ تمہارے ڈیڈی اختر کی تمام کارگزاریوں سے واقف تھے۔ تبھی تو۔“

”اختر کے خلاف تم نے ہی ڈیڈی کے کان بھرے تھے۔ تمہاری نظر میری دولت اور میرے جسم پر پہلے سے ہی تھی۔“

اس وقت ایک پچیس سال کا گورا چٹا، لمبا پہاڑی قسم کا نوجوان کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا جسے سلیم بیگ نے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھورا۔

”وہ... میم صاحب... وکیل صاحب آئے ہیں۔“

روبی کے ساتھ سلیم بیگ کا انداز بھی بدل گیا۔ دونوں ہوشیار ہو گئے اور تھوڑا سہمے ہوئے بھی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پچپن سالہ شخص ایک عالیشان کمرے کے شاندار صوفے پر براجمان تھا۔ لمبے قد اور چھریرے بدن کے اس آدمی کے بال دودھ کی طرح سفید تھے۔

گلابی رنگت لئے لمبو ترے چہرے اور پتلے پتلے سوکھے ہونٹوں والا شہاب الدین فاروقی بلوری رنگ کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے چالاک اور گھاگ نظر آرہا تھا۔

سلیم بیگ اور روبی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے رویے سے لگتا ہی نہیں تھا کہ ان میں کوئی ان بن ہے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے۔

”سلام وکیل صاحب۔“ سلیم بیگ نے سلام میں پہل کی۔

”سلام انکل۔“

”وعلیکم السلام۔“ شہاب الدین کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔ ”کیسے ہو تم دونوں؟ آپس میں جھگڑے تو نہیں نا؟“

”نن۔ نہیں انکل۔“ روبی جلدی سے بولی۔ ”اب ہمارے درمیان صلح ہو چکی ہے۔ ہاں کبھی کبھی تھوڑی بہت تکرار بھی ہو جاتی ہے تو جلدی صلح بھی ہو جاتی ہے۔“

”لیکن ہم تو تبھی مانیں گے جب گھر میں نیا مہمان آئے گا۔ تم دونوں کی شادی کو دس سال ہو گئے ہیں۔ تم دونوں میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔ پھر می پپا کب بن رہے ہو؟“

روبی اور سلیم بیگ نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”یہ تو قدرت کے ہاتھوں میں ہے وکیل انکل۔“ سلیم بیگ نے بے بسی سے کہا۔

”نہیں داماد صاحب، نہیں۔“ شہاب الدین پتلے ہونٹوں پر تیز مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولے۔ ”یہ تم دونوں کے ہاتھ میں ہے۔ سیٹھ صاحب نے تم دونوں کی شادی اس لئے نہیں کی تھی کہ تم الگ تھلگ رہو اور نسل آگے نہ بڑھاؤ بہتر ہوگا کہ تم دونوں وصیت کو ایک بار پھر غور سے پڑھو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ تم دونوں نے ایک دوسرے کو میاں بیوی کے طور پر قبول نہیں کیا تو یہ ساری جائیداد ٹرسٹ کے حوالے ہو جائے گی۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ آپ دونوں پانچ سال کے اندر اندر ماں باپ بن جائیں گے۔ نہیں بنے تو جو ذمہ دار ہوگا اسے بے دخل کر دیا جائے گا۔ لیکن ہم نے تمہاری درخواست پر ترس کھا کے ایک سال، دو سال کی چھوٹ دیتے ہوئے دس سال گزار

دیئے۔ تم ایک بار حاملہ بھی ہوئی تھیں روبی بیٹی۔ تم دونوں نے اس بات کو چھپا کر رکھا۔ لیکن ہمیں معلوم ہو ہی گیا کہ تمہارا وہ حمل سلیم بیگ نہیں اختر کا نطفہ تھا۔ اور داماد جی نے تمہیں دھمکی دی تھی کہ وہ ڈی این اے ٹیسٹ کروا کر ثابت کر دے گا کہ وہ بچہ اس کا نہیں ہے۔ جائیداد ہاتھ سے جانے کے ڈر سے تم نے ابارشن کروا لیا تھا۔ آج ہم تم دونوں کو آخری وارننگ دے رہے ہیں کہ سال بھر میں ماں نہیں بنیں تو جائیداد سے بے دخل ہونا پڑے گا۔“

روبی کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ جلدی سے بولی ”نہیں انکل۔ میں ماں بنوں گی۔ لیکن کیا یہ میرا ساتھ دیں گے؟“

”کیوں نہیں دوں گا بھلا۔“ سلیم بیگ فوراً بولا۔ حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ تم شادی سے پہلے ہی اپنا کنوار پن کھو چکی ہو۔ اور اب تک اختر سے تمہارے تعلقات ہیں۔ لیکن سسر جی کی آخری خواہش پوری کرنے کے لئے میں تمہیں دل سے قبول کر لوں گا۔“



اسی وقت گھر کی ساٹھ سالہ پرانی نوکرانی سلمیٰ ناشتے کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر آئی۔

روبی نے فوراً چائے کا کپ بنا کر شہاب الدین فاروقی اور سلیم بیگ کو دینے کے بعد اپنے لئے بھی ایک کپ بنا کر چسکی لینے لگی۔

”ہم تم دونوں کے دشمن نہیں ہیں۔“ شہاب الدین چاندی کے چچ سے گاجر کا حلوہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔ بزرگ ہونے کے ناتے ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں پچھلی تمام کڑواہٹ کو بھول کر میل ملاپ کر لو۔ ایک دوسرے کو قبول کر لو۔ تم دونوں طلاق نہیں لے سکتے۔ تمہیں ساری زندگی ایک ساتھ رہنا ہے۔ نفرت بھرے ماحول میں زندگی اچھی نہیں گزرتی۔ جب بڑھاپا آئے گا تو باہر کا کوئی کام نہیں آئے گا۔ دونوں کو ہی ایک دوسرے کے کام آنا پڑے گا۔ یونہی رہے تو بچہ نہیں ہوگا اور تمہاری نسل یہیں ختم ہو جائے گی۔ تمہارا کوئی نام لیوا۔ کوئی مغفرت کرنے والا نہیں ہوگا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا۔“

دونوں نے ایک ساتھ ہاں میں سر ہلایا۔

شہاب الدین مزید بولا۔ ”سال بھر میں ہمیں ننھا منا بچہ چاہئے۔ ورنہ دوسری صورت میں یہ ساری جائیداد مجھے ٹرسٹ میں جمع کرنی پڑے گی۔“

سلیم بیگ اور روبی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کی کسی بات سے انکار کرتے۔

آخر سلیم بیگ نے ہمت کرتے ہوئے موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے کہا۔ ”میں چھما دادا سے مل کر آرہا ہوں وکیل صاحب۔ لیکن وہ کم بخت پندرہ کروڑ کی ڈیمانڈ کر رہا ہے۔“

”پندرہ کروڑ... ہونہہ۔“ روبی تنک کر بولی۔ ”وہ کمینہ ہم سے ہماری ہی زمین کی اتنی بڑی قیمت مانگ رہا ہے۔ انکل آپ اس پر کیس کیوں نہیں کرتے؟“

شہاب الدین فاروقی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور افسوس میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ ”ہم کیس تو کر دیں بیٹی۔ لیکن فائدہ نظر نہیں آتا۔ ایسے کیس سالوں تک چلتے رہتے ہیں۔ کچھوے کی چال سے۔ چھما دادا اس کیس سے غصے میں آکر تم لوگوں کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ پولیس افسر کو قتل کرنے کے بعد

لوگوں کے دلوں میں اس کی ایک دھاک بیٹھ گئی ہے۔ سرعام مارا تھا اس نے اس انسپکٹر کو لیکن اس کے ڈر سے کوئی گواہی دینے کو تیار نہیں ہوا اور وہ شک کا فائدہ اٹھا کر بری ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم ننگا آدمی ہے اور وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

”تو کیا اتنی قیمتی زمین کو ہم یونہی ہاتھ سے نکل جانے دیں۔“ روبی کے لہجے میں غصہ تھا۔ ”ڈیڈی نے خون پسینے کی کمائی سے وہ زمین خریدی تھی، جو آج بیس کروڑ سے بھی زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ کوئی تو راستہ ہوگا۔ انکل کچھ تو کیجئے۔ یہ کمینہ چھما تو مفت میں ہی اتنی قیمتی زمین کا مالک بن بیٹھا ہے۔“

شہاب الدین فاروقی جھککتے، ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”ایک راستہ ہے۔ لیکن؟“

”لیکن کیا؟“ سلیم بیگ نے پوچھا۔ ”بتائیں نا وکیل صاحب۔“

”تم دونوں نے منیش کا نام تو سنا ہی ہوگا؟۔“

”منیش... کون وہ گینگسٹر منیش تو نہیں؟“ روبی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں وہی۔ روبی بیٹی۔ ہجڑا ہوتے ہوئے بھی وہ سکی اور خطرناک ترین انسان ہے۔ عام آدمی تو کیا۔ پولیس بھی اس کے نام سے تھراتی ہے۔ منیش کے سامنے چھما دادا کی تو کوئی اوقات ہی نہیں ہے۔ تم کہو تو میں منیش سے بات کر کے دیکھوں؟۔“

”وہ زمین خالی کرانے کی کیا قیمت لے گا؟“ سلیم بیگ نے پھر پوچھا۔ ”یہ تو اس سے بات کر کے ہی معلوم ہوگا داماد بابو۔ تم دونوں کیا کہتے ہو۔“ دونوں نے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

”ٹھیک ہے۔“ شہاب الدین اٹھ کھڑا ہوا اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر بولا۔ ”میں منیش سے مل لیتا ہوں۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆

ایس ایچ او کی غیر موجودگی میں سب انسپکٹر ظہیر ملک کے ساتھ کچھ سپاہی پیپل کے پیڑ کے نیچے بیٹھے چائے سمو سے اڑاتے ہوئے ادھر ادھر کی گپیں

ہانک رہے تھے۔ اچانک ہی شور شرابا ہونے لگا۔ تقریباً ایک درجن ہی بچے  
ڈھولک اور تالی بجاتے ہوئے اندر گھس آئے۔

”اوئے... یہ کیا ہے؟“ ظہیر ملک غرا کر بولا۔ ”یہ کہاں منہ اٹھائے اندر  
چلے آرہے ہو۔ چلو باہر نکلو۔ ورنہ ہڈی پسلی ایک کر کے لاک اپ میں بند کر  
دوں گا۔“

ختم شد